تقلید کی شرعی حیثیت

موجودہ حالات کے تناظر میں مذاکرہ

منیر چودھری

ہمارے عہد کے سیاسی، سماجی اور کچھ مذہبی موضوعات ایسے ہیں جن پر بات کرتے ہوئے ہم عام طور پر ہچکچاتے ہیں لیکن جب تک گفتگو اور مکالمہ نہیں ہو گا مسائل کے حل تک ہرگز پہنچا نہیں جا سکتا۔ ایسے ہی ایک حساس اور اہم موضوع "تقلید کی شرعی حیثیت" پر ایک نجی ٹی وی نے تبادلہ خیال کیلئے ملک کے ممتاز علماء اور دانشوروں کو دعوت دی۔ علماء کرام کے اس پینل میں ممتاز عالم دین، محقق، کئی کتابوں کے مصنف، استاد الاساتذہ جاوید احمد غامدی، ممتاز شاعر، ادیب، نقاد، فلاسفر ڈپٹی ڈائریکٹر اقبال اکیڈمی لاہور احمد جاوید، شیخ الحدیث مفتی عبدالحنان، معروف مذہبی سکالر مولانا علامہ حسن ظفر نقوی شامل تھے۔ جنہوں نے سوالات کے جوابات دیئے۔ "خبریں" کے قارئین کی دلچسپی کیلئے پروگرام کو اصل متن کیساتھ سوالاً جواباً پیش کیا جا رہا ہے۔

سوال: غامدی صاحب! تقلید کا لفظ ہمیں قرآن و حدیث میں نہیں ملتا، آپ فرمایئے کہ تقلید کی تعریف کیا ہے، اس کا آغاز کب ہوا اور اس کا تصور کیا ہے؟

جاوید احمد غامدی: رسول اکرمؐ کے زمانے میں لوگوں کو جب دین سے متعلق بات دریافت کرنا ہوتی تھی تو وہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کا بھی یہی طریقہ تھا۔ رسول اکرمؐ کے بعد بھی جب لوگوں کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ اہل علم سے ہی رجوع کرتے تھے۔ اگر ایک صاحب علم کی بات پر تسلی ہو جاتی تھی تو ٹھیک ورنہ وہ کسی دوسرے کے پاس جاتے اور اس کی تصدیق حاصل کر لیتے۔ اس کے بعد ہمارے ہاں اسلامی قانون باقاعدہ مرتب ہونے شروع ہوئے۔ یہ وہ دور ہے جس میں ہمارے جلیل القدر فقہاء پیدا ہوئے جن میں امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام حنبلؒ اور ان کے بعد بھی بہت سے جلیل القدر آئمہ کرام پیدا ہوئے۔ مسلمانوں نے بالعموم ان میں سے کسی نہ کسی امامؒ کو اپنا مرجع سمجھ کر اس کی طرف رجوع کرنا شروع کر دیا۔ پھر خیال پیدا ہوا کہ جو اصول اب مرتب ہو گئے ہیں اور جن جزویات میں ان آئمہ نے کوئی رائے دے دی ان میں اگر لوگوں کو اس بات کی اجازت دی گئی کہ وہ کبھی یہاں سے کوئی بات سن لیں، کبھی وہاں سے کوئی بات سن لیں تو اس سے وہ خواہش نفس کے پیرو ہو جائیں گے اور اس امر کا شدید اندیشہ ہے کہ جو بات انہیں اچھی لگے گی اسے قبول کر لیں گے اور اس طرح دین بازیچہ اطفال بن جائے گا لہٰذا لوگوں کو اس کا پابند کر دیا جائے کہ وہ ایک متعین امام کے زمانے میں لوگ عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک رائے دیکھتے تھے اور شام کو انہیں معلوم ہوتا تھا کہ ابو موسیٰ اشعریؓ اس سے مختلف رائے رکھتے ہیں۔ سیدنا علیؓ سے ایک بات پوچھتے تھے تو بعد میں معلوم ہوتا تھا کہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا نقطہ نظر دوسرا ہے تو وہ اس کو اختیار کر لیتے تھے۔ اس سے ایک زندہ معاشرہ وجود میں آتا ہے جس میں جمود نہیں ہوتا بلکہ لوگ آگے بڑھتے ہیں۔

سوال: جس طرح آپ نے فرمایا کہ قرون اولیٰ میں صبح کو ایک فیصلہ سنا اور شام کو فیصلہ اس سے بہتر آیا تو لوگ اپنے گزشتہ فیصلے کو تبدیل کر دیتے تھے۔ تو کیا وہ عہد یا وہ تصورات اس معاشرے پر لاگو ہو سکتے ہیں؟

جاوید احمد غامدی: یہ تصورات ہر معاشرے پر لاگو ہو سکتے ہیں بشرطیکہ آپ اپنی قوم کی تربیت کریں۔ پہلے ہمیں دین کی لوگوں کو تعلیم دینی چاہیے اور بتانا چاہیے کہ دین میں مسائل کیسے پیدا ہوتے ہیں، اصول کیا ہیں؟ جب تک معاشرے کی تعلیم و تربیت کا اہتمام نہیں کیا جائے گا تب وقت تک یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ ایک شخص بلاسوچے سمجھے جو چیز چاہے گا قبول کر لے گا اور اپنی خواہش نفس کی پیروی میں ایک چیز ادھر سے اور ایک چیز ادھر سے لے لے گا لیکن اس کا یہ علاج نہیں ہے کہ آپ پابندی لگا دیں بلکہ اس کا علاج یہ ہے کہ معاشرے کی تعلیم و تربیت کا باقاعدہ اہتمام کیا جائے۔

سوال: احمد جاوید صاحب! عہد صحابہ کرامؓ میں ایک کے بعد دوسرے اچھے فیصلہ کے آنے کے بعد پہلے کو تبدیل کر دیا گیا۔ اس کے بعد آئمہ کے 400 سال بعد کے فیصلے آنے سے کیا دین کی اصل پر تو کوئی زد نہیں پڑ رہی؟

احمد جاوید: قرون اولیٰ میں بھی دین اپنی Socialization کے عمل میں بھی مرتبہ کمال کو پہنچا ہوا تھا یعنی فرد کی سمت کمال اور معاشرے کی سمت کمال باہم اہمیت دیگر تھی۔ جہاں دین اپنے انتہائی بڑے مقصود کو حاصل کر لیتا ہے وہاں تقلید کا وہی پہلو فطری بن جاتا ہے بلکہ تقلید انہی معنوں میں فطری ہے۔ تقلید میرا ایک ایسا عذر ہے کہ میں محقق نہیں بن سکتا اور یہ عذر اکثریت کو ہمیشہ لاحق رہے گا۔ اس عذر کی موجودگی میں دین کو سمجھنے اور دین پر چلنے کی تدابیر جو موثر ہوں، قابل عمل ہوں خواہ بہترین نہ ہوں وہ اختیار کرنی پڑتی ہیں۔ انسان جب اپنے عقائد، اعمال اور نظریات میں ایک معاشرتی قوت اور معنویت حاصل کر لیتا ہے تو اس میں تقلید یعنی دوسرے سے تعلیم حاصل کرنے یا دوسرے سے راہ عمل متعین کروانے کا صرف ایک ہی طرز عمل ہے وہ یہ کہ میں کچھ چیزیں آپ سے پوچھ لوں اور آپ سے بہتر اگر غامدی صاحب بتا دیں تو آپ کی رائے چھوڑ کر اس رائے کو اختیار کرنے کی نشاندہی نہیں کرتی۔

سوال: تقلید میں قول کو قبول کر لیا جاتا ہے بلادلیل کے لیکن آج کے معاشرے میں کیا یہ آئیڈیل صورتحال رائج ہے؟

احمد جاوید: نہیں رائج ہے لیکن یہ سب انسانی مساعی اور انسانی کاوشیں ہیں تاکہ ایک حیثیت مقصود کا حصول ممکن ہو اور کوئی بھی انسانی کاوش اس طرح کے منطق سے نہیں دیکھی جانی چاہئے کہ یہ بات بالکل درست ہے اور یہ بالکل غلط ہے۔ وہ اپنے جواز اور تردید کے یکساں دلائل رکھے گی۔ تقلید پر اگر ہم شرعی اور دینی اصطلاحات میں گفتگو کرتے رہیں گے تو ہم سوائے کنفیوژن بڑھانے کے اور کچھ نہیں کریں گے۔ اگر ہم تقلید کو انسانی ضرورت اور اس ضرورت کے بدلتے ہوئے مظاہر پر نظر رکھتے ہوئے گفتگو کریں گے تو ہم کسی مثبت اور بامقصد (Productive) نتیجہ تک پہنچ سکتے ہیں۔ دین کیا؟ دین نام ہے عقائد اور احکام کا لیکن انسان کی بناوٹ ایسی ہے کہ وہ چیزوں کو اجمال کو تفصیل میں بدلنے پر مجبور ہے اور اس خواہش سے انکار ممکن نہیں ہے۔ اس خواہش کی تسکین اور تکمیل کے جو ذرائع نکالے گئے ہیں ان سب میں جو چیز مشترک ہے وہ تقلید ہے اور اسکی تعریف ہمارے مذہبی ذہن نے جس طرح کی ہے وہ انتہائی مضر ہے۔

سوال: عبدالحنان صاحب! آپ جس مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہیں وہاں تقلید کو بالکل قبول نہیں کیا جاتا یقیناً اس کے کچھ اسباب ہوں گے، پوری فکر ہو گی۔ آخر

مفتی عبدالحنان

علامہ حسن ظفر نقوی

جاوید احمد غامدی

احمد جاوید

کیا وجوہات ہیں کہ آپ تقلید کو یکسر رد کر دیتے ہیں؟

عبدالحنان شیخ الحدیث: سورہ النساء کی آیت مبارکہ میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

ترجمہ: "اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور اولی الامر کی۔"

جانے کو کہتے ہیں جیسا کہ علامہ ابن سکسکی اپنی کتاب میں فرماتے ہیں کہ: "دلیل کی معرفت کے بغیر کسی کے قول کو اخذ کرنا یہ تقلید ہے۔" اس کی شرح میں علامہ جلال الدین محلیؒ فرماتے ہیں کہ کسی شخص کے قول کو اس کی دلیل پہچان کر لینا یہ اجتہاد ہے تو گویا ایک عام

علامہ حسن ظفر نقوی: اگر ہم تقلید کی لفظی بحث میں پڑیں گے تو جتنے بھی مسالک ہمارے ہاں فقہ کے حوالے سے رائج ہیں تو پھر ہمیں اس حساب سے ایک الگ بحث کرنا پڑے گی دیکھنا یہ ہے کہ اصطلاحاً تقلید سے ہم کیا مراد لیتے ہیں۔ تقلید کے لفظی معانی "کسی کو گلے میں ڈالنا

جب واپس آئے تو اللہ کے رسولؐ سے پورا واقعہ بیان کیا گیا۔ آپؐ نے فرمایا: تم نے درست کیا، اگر آگ میں کود جاتے تو ہمیشہ آگ میں رہتے۔ یہاں پر تقلید اور اطاعت میں جو بنیادی فرق ہے وہ واضح ہوتا ہے کہ اگر وہ بغیر دلیل اور حیل و حجت کے بلاسوچے سمجھے آگ میں کود جاتے تو وہ تقلید تھی۔ شریعت میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور قرآن و حدیث اس بات کے شاہد ہیں کہ اطاعت اور اتباع کے سوا لفظ تقلید ایک انسان کیلئے استعمال ہی نہیں کی گئی۔ اس وجہ سے بھی کہ تقلید انتہا درجے کسی کے پیچھے ... اور بغیر کسی دلیل کے مان

رسول اللہؐ کی پیروی کرے۔ اسی طرح چار آئمہ کرام جن کے نام پر بالخصوص مذاہب رائج ہیں ان کے اقوال ہیں کہ کسی ایک شخص کی تقلید کو اپنے اوپر لازم مت پکڑو۔ وہاں سے دلیل لو جہاں سے انہوں نے دلیلیں لی ہیں یعنی قرآن سے۔

سوال: آپ یہ فرماتے ہیں کہ شریعت میں تقلید کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

عبدالحنان: بالکل نہیں ہے۔

سوال: مولانا حسن ظفر نقوی صاحب! آپ اس تعلق سے کیا فرمائیں گے؟

جیسے ہم ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں اور بالکل جس طرح سے معلم اور متعلم کے درمیان رشتہ ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی رجوع کرنے کا ایک عمل ہے لیکن اس سے مراد اندھی تقلید نہیں ہے۔ 14 کروڑ لوگ مدرسے میں داخل نہیں کرائے جا سکتے وہ فقہا و علماء بن گئے تو صورتحال کیا سے کیا ہو جائے گی لہٰذا حکم ہے کہ ہر میدان میں کچھ لوگوں کو ہونا چاہئے۔ حکم شرع اولی الامر کو کہا جاتا ہے جو شرع پر پورا عبور رکھتا ہو کہ کہیں جب کچھ طے نہ ہو سکے تو اس کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے، یہ خود تقلید کی ایک شکل ہے جو فطری طور پر انسان پر لازم آتی ہے۔

مجتہد کی تقلید حرام ہے، وہ تقلید نہیں کر سکتا۔ تقلید

بالکل ایک عقلی مسئلہ ہے کہ ہر آدمی مسئلے کا حل نہیں ڈھونڈ سکتا۔ حضور نبی اکرمؐ نے اپنی حیات طیبہ کے اندر ہی کچھ لوگوں کو نیابت دی اور بھیجا۔ حضرت علیؓ کو جب یمن کا حاکم بنا کر بھیجا گیا تو وہاں انہوں نے عدالتوں میں سختی سے کام لیا تو لوگوں نے آکر حضور نبی اکرمؐ سے شکایت کی۔ جس پر پیغمبر اکرمؐ شکایت کرنے والے پر غصہ ہوئے اور فرمایا: "تم کیا چاہتے ہو، تم نہیں جانتے کہ علیؓ اللہ کا حکم نافذ کرنے میں کتنا سخت ہے۔" عبان بن تغلب کا ایک مشہور واقعہ پانچویں امام امام محمد باقرؒ سے کہ آپ نے اس کو حکم دیا کہ "بیٹھو مسجد میں مدینہ میں جا کے اور لوگوں کیلئے فتویٰ دو۔"

سوال: مولانا عبدالحنان صاحب! کیا آپ علامہ حسن ظفر نقوی کی گفتگو سے اتفاق کرتے ہیں؟

شیخ الحدیث عبدالحنان: نہیں، بنیادی طور پر ایک بات سمجھنے میں علامہ صاحب کو غلط فہمی ہوئی۔ علامہ صاحب نے فرمایا کہ وہ مسائل جن میں ہم اجتہاد نہیں کر سکتے ان میں کس کی تقلید کریں گے۔ یہ بھی تقلید نہیں ہے، تقلید میں کسی دلیل کا ہونا بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ علامہ

نہیں کی جو رسول اکرمؐ نے لازمی قرار نہیں دی بلکہ اس دور میں اس لفظ کا وجود ہی نہیں تھا۔ لفظ کی باریکیوں پر بھی اس وقت نہیں جانا چاہئے جب اس کے متبادل کوئی لفظ قرآن و حدیث میں نہ ہو۔ فقہ کا لفظ قرآن و حدیث میں موجود ہے اور اس سے تقلید کی کوئی مناسبت نہیں ہے۔ تقلید کا لفظ حدیث میں آتا ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رحمت عالمؐ جب حج پر جانے لگے تو میں نے آپؐ کے جانوروں کیلئے اپنے ہاتھ سے ہار بنا۔ پھر آپؐ نے وہ ہار ان اونٹوں کو پہنائے لہٰذا "قلادہ" یا تقلید کا لفظ اس معانی میں بھی حدیث میں ہے۔ حضور نبی اکرمؐ نے دین سے ہٹ کر دنیاوی معاملے میں جب کبھی کوئی رائے دی تو احادیث میں ہے کہ صحابہ کرامؓ نے اسے نہیں لیا جیسے مشہور واقعہ ہے کہ بریرہ ایک لونڈی تھی۔ حضور اکرمؐ نے اس کی قیمت ادا کر کے اسے آزاد کروایا۔ اس نے کہا کہ حضور نبی اکرمؐ میں اپنے شوہر مغیث کے نکاح میں نہیں رہنا چاہتی۔ آپؐ نے فرمایا کہ بریرہ دیکھو' تمہارا شوہر تم سے کتنی محبت کرتا ہے' آگے آگے بریرہ ہیں اور پیچھے مغیث روتے جا رہے ہیں کہ بریرہ مجھے قبول کر لو۔ آپؐ نے فرمایا: بریرہ مغیث کے ساتھ رہو۔ وہ کہتی ہیں کہ اللہ کے رسول آپ حکم دیتے ہیں یا یہ آپ کی رائے ہے۔ آپؐ نے فرمایا: میں حکم نہیں دے رہا' میری رائے ہے۔ وہ کہنے لگی پھر میں نہیں مانتی۔ معلوم ہوا کہ اگر تقلید لازم ہوتی تو سب سے زیادہ تقلید کے حقدار تو محمد رسول اللہؐ تھے۔ علم اور دین کی روایت میں کہیں تقلید موجود نہیں ہے۔

سوال: غامدی صاحب! علم اور دین کی روایت میں کہیں تقلید موجود نہیں ہے اور عبدالحنان صاحب نے جو واقعہ سنایا کیا یہ اس تقلید کے زمرے میں آئے گا؟

جاوید احمد غامدی: فطری طور پر ایسا ضروری نہیں ہے کہ ہر آدمی دلیل طلب کرنے کیلئے بیٹھے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ مناظرہ کرے' یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ مباحثہ کرے۔ عام طور پر ہم اعتماد کرتے ہیں۔ اصل میں خرابی وہاں سے پیدا ہوتی ہے جہاں ہم فطری حدود سے تجاوز کر کے ایک قدم آگے رکھتے ہیں اور اب ایک باقاعدہ شرعی مسئلے کی حیثیت سے تقلید کو بیان کرتے ہیں کہ چوتھی صدی کے بعد اب کسی صاحب علم کیلئے اصول میں کوئی رائے قائم کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہ گئی۔ اصل میں عام آدمی کا فطری طور پر ماہرین کے پاس جانا' ان سے رائے طلب کرنا' ان سے معلوم کرنا' ان سے پوچھنا غلط نہیں اور اگر سائل مسئلے کے حوالے سے کسی ماہر سے تھوڑی گفتگو بھی کرے' تھوڑا تردد بھی کرے تو یہ کوئی حرام نہیں ہے' ناجائز نہیں ہے۔ خرابی یہاں سے پیدا ہوئی جب علماء نے اپنے اوپر یہ بات لازم کر لی کہ گروہ حنفی ہیں تو وہ پیدائشی حنفی ہیں اور اب انہیں کبھی اہلحدیث

سے اختلاف کرے گا۔ اگر کہا جائے کہ اسے اپنا نسخہ خود لکھنے کے بجائے کسی اچھے ماہر طب کی طرف رجوع کر لینا چاہیے ورنہ اس کی صحت کو خطرہ لاحق ہو جائے تو مولانا بھی اس سے اختلاف نہیں کریں گے۔ مصیبت یہاں واقع ہوتی ہے کہ اہل علم اپنے اوپر یہ چیز حرام کر بیٹھے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اب جو حنفی پیدا ہوا ہے وہ حنفی ہی ہو گا' جو شافعی پیدا ہوا وہ شافعی ہی مرے گا اور کسی حنفی کیلئے اپنی حنفیت چھوڑ کر شافعیت اختیار کرنا یا کسی اور رائے کو اختیار کرنا یہ حرمت کے درجے میں ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو درحقیقت آئمہ کو پیغمبر کا درجہ دے دیتی ہے جس کے بعد دین کے تمام مقاصد بے معنی ہو جاتے ہیں۔ اس خرابی کی اصلاح علماء میں کرنے کی ضرورت ہے۔ عام آدمی تو بیچارا وہی کھڑا ہوتا ہے' اس کو آپ اجتہاد کرنے کیلئے کہہ دیں گے تو معلوم نہیں وہ کیا کچھ کر ڈالے گا اور کیا آراء قائم کرے گا۔ عام آدمی کی تعلیم و تربیت کی اشد ضرورت ہے۔ اگر اسے مناسب تعلیم کے بغیر کہہ دیں کہ یہ یہاں سے لے لو یہ وہاں سے لے لو۔ اس کا شدید اندیشہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو کسی گہرے کھڈ میں ڈال لے گا۔ ہمارے آئمہ کو پیغمبر کا درجہ دے کر امت میں اتحاد و اتفاق اور مکالمے کے راستے بند کر دیئے گئے ہیں اور اصل بات یہ ہے کہ عوام کی تعلیم کے ساتھ ساتھ علماء کی تعلیم کی بھی ضرورت ہے۔

سوال: کیا تقلید نے اجتہاد کے دروازے بند کر دیئے؟

احمد جاوید: بالکل میں اس سے اتفاق کرتا ہوں کیونکہ عالم دین اپنی دینی ذمہ داری سے فرار اختیار کر رہا ہے۔ انسان کی ذہنی استعداد اور ذہنی شعور کا جوہر وہ اپنے حالات کے بہت حد تک تابع ہوتا ہے اور وہ اس کے مطابق اپنی قبولیت کی صلاحیتیں بدلتا رہتا ہے۔ علماء کے اس رویئے کی جانب جس طرف غامدی صاحب نے اشارہ فرمایا ہماری موجودہ ذہنی استعداد دین سے متعلق نہیں رہی اور ہماری ساری استعداد سب سے قیمتی چیز یعنی دین سے غیر متعلق ہو گئی ہے۔ یہ بہت بڑا نقصان ہوا ہے اس لئے ہم کوئی ایسا اسلوب فراہم نہیں کر پائے ہیں جو ہمارے ذہن میں پہلے سے موجود طرز استدلال سے ایک اطمینان بخش مناسبت رکھتا ہو' ایک دوئی پیدا ہو گئی ہے اور یہ نقصان بھیانک حد تک ہے۔ دین اپنی تفصیل میں صحت فہم کا تقاضا سب سے پہلے نہیں کرتا یعنی کمال فہم دین کا مطلوب نہیں ہے۔ دین کا مطلوب صداقت وابستگی ہے۔ میں اپنی وابستگی کی صداقت کے ساتھ دین سے تعلق کے مضبوط ذرائع پر عامل رہتے ہوئے اگر اپنے عمل یا درکار فہم میں کوئی غلطی کرتا ہوں تو امید ہے کہ آخرت میں اس کیلئے مواخذہ نہیں ہو گا۔

تقلید کی شرعی حیثیت

موجودہ حالات کے تناظر میں مذاکرہ

کا مسائل کے حل تک ہرگز پہنچا نہیں جا سکتا۔ ایسے ہی ایک حساس اور اہم موضوع "تقلید کی شرعی حیثیت" پر ایک نجی ٹی وی نے تبادلہ خیال کیلئے ملک کے ممتاز علماء اور دانشوروں کو دعوت دی۔ علماء کرام کے اس پینل میں ممتاز عالم دین، محقق، کئی کتابوں کے مصنف، استاد الاساتذہ جاوید احمد غامدی، ممتاز شاعر، ادیب، نقاد، فلاسفر ڈپٹی ڈائریکٹر اقبال اکیڈمی لاہور احمد جاوید، شیخ الحدیث مفتی عبدالحنان، معروف مذہبی سکالر مولانا علامہ حسن ظفر نقوی شامل تھے۔ جنہوں نے سوالات کے جوابات دیئے۔ "خبریں" کے قارئین کی دلچسپی کیلئے پروگرام کو اصل متن کیساتھ سوالاً جواباً پیش کیا جارہا ہے۔

سوال: غامدی صاحب! تقلید کا لفظ ہمیں قرآن و حدیث میں نہیں ملتا، آپ فرمائیے کہ تقلید کی تعریف کیا ہے، اس کا آغاز کب ہوا اور اس کا تصور کیا ہے؟

جاوید احمد غامدی: رسول اکرمؐ کے زمانے میں لوگوں کو جب دین سے متعلق بات دریافت کرنا ہوتی تھی تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کا بھی یہی طریقہ تھا۔ رسول اکرمؐ کے بعد بھی جب لوگوں کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ اہل علم سے ہی رجوع کرتے تھے۔ اگر ایک صاحب علم کی بات پر تسلی ہو جاتی تھی تو ٹھیک ورنہ وہ کسی دوسرے کے پاس جاتے اور اس کی تصدیق حاصل کر لیتے۔ اس کے بعد ہمارے ہاں اسلامی قانون باقاعدہ مرتب ہونے شروع ہوئے۔ یہ وہ دور ہے جس میں ہمارے جلیل القدر فقہاء پیدا ہوئے جن میں امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام حنبلؒ اور ان کے بعد بھی بہت سے جلیل القدر آئمہ کرام پیدا ہوئے۔ مسلمانوں نے بالعموم ان میں سے کسی نہ کسی امامؒ کو اپنا مرجع سمجھ کر اس کی طرف رجوع کرنا شروع کر دیا۔ پھر خیال پیدا ہوا کہ جو اصول اب مرتب ہو گئے ہیں اور جن جزویات میں ان آئمہ نے کوئی رائے دے دی ان میں اگر لوگوں کو اس بات کی اجازت دی گئی کہ وہ کبھی یہاں سے کوئی بات سن لیں، کبھی وہاں سے کوئی بات سن لیں تو اس سے وہ خواہش نفس کے پیرو ہو جائیں گے اور اس امر کا شدید اندیشہ ہے کہ جو بات انہیں اچھی لگے گی اسے قبول کر لیں گے اور اس طرح دین بازیچہ اطفال بن جائے گا لہٰذا لوگوں کو اس کا پابند کر دیا جائے کہ وہ ایک متعین امام کی تقلید کریں اور اصول و فروع میں وہ کسی ایک امام کو اپنا مرجع مانیں۔ اسی اصول کو عام زبان میں تقلید کہا جاتا ہے یعنی کسی ایک متعین امام کی پیروی کرنا۔

سوال: کیا کسی معاشرے میں کردار سازی کیلئے تقلید اپنا نمایاں کردار انجام دیتی ہے یا دے سکتی ہے؟

جاوید احمد غامدی: میرا نقطہ نظر یہ ہے کہ رسول اللہؐ کے زمانے میں جو طریقہ تھا وہی فطری طریقہ ہے جب اس طریقہ کو چھوڑا جائے گا تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہم ایک چیز حاصل کریں گے اور دوسری کھو بیٹھیں گے۔ اگر سادہ لفظوں میں اس کو بیان کریں تو آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک عالم یا ایک محقق براہ راست چیزوں کو اخذ کرتا ہے اور باقی لوگ اس کی مدد سے چیزوں کو سمجھتے ہیں۔ یہ میرے نزدیک فطری طریقہ ہے۔ صحابہ کرامؓ

جس میں جمود نہیں ہوتا بلکہ لوگ آگے بڑھتے ہیں۔

سوال: جس طرح آپ نے فرمایا کہ قرون اولیٰ میں صبح کو ایک فیصلہ سنا اور شام کو فیصلہ اس سے بہتر آیا تو لوگ اپنے گزشتہ فیصلے کو تبدیل کر دیتے تھے۔ تو کیا وہ عہد یا وہ تصورات اس معاشرے پر لاگو ہو سکتے ہیں؟

جاوید احمد غامدی: یہ تصورات ہر معاشرے پر لاگو ہو سکتے ہیں بشرطیکہ آپ اپنی قوم کی تربیت کریں۔ پہلے ہمیں دین کی لوگوں کو تعلیم دینی چاہیے اور بتانا چاہیے کہ دین میں مسائل کیسے پیدا ہوتے ہیں، اصول کیا ہیں؟ جب تک معاشرے کی تعلیم و تربیت کا اہتمام نہیں کیا جائے گا تب وقت تک یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ ایک شخص بلاسوچے سمجھے جو چیز چاہے گا قبول کر لے گا اور اپنی خواہش نفس کی پیروی میں ایک چیز ادھر سے اور ایک چیز ادھر سے لے لے گا لیکن اس کا یہ علاج نہیں ہے کہ آپ پابندی لگا دیں بلکہ اس کا علاج یہ ہے کہ معاشرے کی تعلیم و تربیت کا باقاعدہ اہتمام کیا جائے۔

سوال: احمد جاوید صاحب! عہد صحابہ کرامؓ میں ایک کے بعد دوسرے اچھے فیصلہ کے آنے کے بعد پہلے کو تبدیل کر دیا گیا۔ اس کے بعد آئمہ کے 400 سال بعد کے فیصلے آنے سے کیا دین کی اصل پر تو کوئی زد نہیں پڑ رہی؟

احمد جاوید: قرون اولیٰ میں بھی دین اپنی Socialization کے عمل میں بھی مرتبہ کمال کو پہنچا ہوا تھا یعنی فرد کی سمت کمال اور معاشرے کی سمت کمال باہم اہمیت دیگر تھی۔ جہاں دین اپنے انتہائی بڑے مقصود کو حاصل کر لیتا ہے وہاں تقلید کا وہی پہلو فطری بن جاتا ہے بلکہ تقلید انہی معنوں میں فطری ہے۔ تقلید میرا ایک ایسا عذر ہے کہ میں محقق نہیں بن سکتا اور یہ عذر اکثریت کو ہمیشہ لاحق رہے گا۔ اس عذر کی موجودگی میں دین کو سمجھنے اور دین پر چلنے کی تدابیر جو موثر ہوں، قابل عمل ہوں خواہ بہترین نہ ہوں وہ اختیار کرنی پڑتی ہیں۔ انسان جب اپنے عقائد، اعمال اور نظریات میں ایک معاشرتی قوت اور معنویت حاصل کر لیتا ہے تو اس میں تقلید یعنی دوسرے سے تعلیم حاصل کرنے یا دوسرے سے راہ عمل متعین کروانے کا صرف ایک ہی طرز عمل ہے وہ یہ کہ میں کچھ چیزیں آپ سے پوچھ لوں اور آپ سے بہتر اگر غامدی صاحب بتا دیں تو آپ کی رائے چھوڑ کر اس رائے کو اختیار کر لوں تاکہ میں اپنے حدود تسلیم اور حدود تعمیل میں مسلسل روح بہ کمال ہوتا رہوں۔ تقلید اپنی Ideal شکل میں صرف یہ ہے کہ ایک بات میں ان سے پوچھ لوں دوسری بات یہ مجھ سے پوچھ لیں لیکن جب معاشرہ اپنی بناوٹ میں اور انفرادی زندگی معاشرے کے دباؤ سے اپنی ساخت میں دنیا کی مطلوبہ انسانیت اور معاشرت کے ضروری معیارات سے ہٹنے لگے تو اس وقت دین ایک لیگل سٹرکچر کی حیثیت سے سامنے آتا ہے۔ جب یہ عمل شروع ہوا تو تقلید کو ایک ضروری عنصر کے طور پر جاری رکھنے کا نہایت مخدوش لیکن غالباً واحد قابل عمل راستہ یہ تھا کہ نفس تقلید کو تقلید شخصی میں زیادہ سے زیادہ حد تک معین کر دیا جائے تو یہ ایک تدبیری حکمت عملی تھی۔ یہ حکمت عملی دینی اصطلاح میں کسی واجب یا کسی ضرورت کی

ممکن ہو اور کوئی بھی انسانی کاوش اس طرح کے منطق سے نہیں دیکھی جانی چاہیے کہ یہ بات بالکل درست ہے اور یہ بالکل غلط ہے۔ وہ اپنے جواز اور تردید کے یکساں دلائل رکھے گی۔ تقلید پر اگر ہم شرعی اور دینی اصطلاحات میں گفتگو کرتے رہیں گے تو ہم سوائے کنفیوژن بڑھانے کے اور کچھ نہیں کریں گے۔ اگر ہم تقلید کو انسانی ضرورت اور اس ضرورت کے بدلتے ہوئے مظاہر پر نظر رکھتے ہوئے گفتگو کریں گے تو ہم کسی مثبت اور بامقصد (Productive) نتیجہ تک پہنچ سکتے ہیں۔ دین کیا؟ دین نام ہے عقائد اور احکام کا لیکن انسان کی بناوٹ ایسی ہے کہ وہ چیزوں کو اجمال کو تفصیل میں بدلنے پر مجبور ہے اور اس خواہش سے انکار ممکن نہیں ہے۔ اس خواہش کی تسکین اور تعمیل کے جو ذرائع نکالے گئے ہیں ان سب میں جو چیز مشترک ہے وہ تقلید ہے اور اسکی تعریف ہمارے مذہبی ذہن نے جس طرح کی ہے وہ انتہائی مضر ہے۔

سوال: عبدالحنان صاحب! آپ جس مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہیں وہاں تقلید کو بالکل قبول نہیں کیا جاتا یقیناً اس کے کچھ اسباب ہوں گے، پوری فکر ہو گی۔ آخر

احمد جاوید

جاوید احمد غامدی

علامہ حسن ظفر نقوی

مفتی عبدالحنان

کیا وجوہات ہیں کہ آپ تقلید کو یکسر رد کر دیتے ہیں؟

عبدالحنان شیخ الحدیث: سورہ النساء کی آیت مبارکہ میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

ترجمہ: "اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور اولی الامر کی۔"

یہاں اللہ خداوند تعالیٰ نے اولی الامر کی اطاعت کا طبعاً حکم دیا ہے مستقلاً حکم نہیں دیا یعنی لفظ اطاعت بھی دوبارہ ذکر نہیں کیا گیا۔ معارف القرآن میں مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں کہ اولی الامر سے مراد علماء اور حکمران دونوں ہیں۔ ان کی اطاعت اسی صورت میں کی جائے گی کہ جب وہ اللہ اور اس کے رسول محمدؐ کی اطاعت کے دائرے میں ہوں۔ حضرت عبداللہ بن حذافہؓ جنہیں رحمت عالم محمدؐ نے ایک لشکر کا امیر بنا کر روانہ فرمایا کسی بات پر وہ ناراض ہو گئے۔ لوگوں کو حکم دیا کہ لکڑیاں جمع کرو، ان میں آگ لگاؤ۔ جب آگ روشن ہوئی تو حکم دیا کہ اس میں چھلانگ لگاؤ، اب صحابہؓ سہم گئے اور کہنے لگے آگ سے بچنے کیلئے ہم نے اسلام قبول کیا تھا، ہم آگ میں کیسے کود یں؟ اختلاف ہوا اور بہر حال رک گئے۔

جانے کو کہتے ہیں جیسا کہ علامہ ابن سبکی اپنی کتاب میں فرماتے ہیں کہ: "دلیل کی معرفت کے بغیر کسی کے قول کو اخذ کرنا یہ تقلید ہے۔" اس کی شرح میں علامہ جلال الدین محلیؒ فرماتے ہیں کہ کسی شخص کے قول کو اس کی دلیل پہچان کر لینا یہ اجتہاد ہے تو گویا ایک عام شخص بھی اگر شعور رکھتا ہے کہ میں فلاں عالم سے مسئلہ پوچھ رہا ہوں اور وہ قرآن سے بتلا رہے ہیں، حدیث یا کسی فقہ سے بتلا رہے ہیں تو وہ مقلد نہیں رہا اس لئے کہ اس نے اس دلیل کو پہچاننے کی کوشش کی۔ امت مسلمہ میں جو لفظ تقلید رائج ہے یہ نہ صرف قرآن و سنت سے انسان کو دور کرنے کا باعث بنا بلکہ ایک طرح سے اللہ اور اس کے رسولؐ کے بہت سے احکامات میں انسان نظریں بند کر لیتا ہے اور اس سے اس وجہ سے اپنے آپ کو روکنے کی کوشش کرتا ہے کہ میں ایک کا پابند ہو گیا اور یہ خود ساختہ پابندی اس نے اپنے اوپر عائد کی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں کہ اللہ نے کسی کو مکلف نہیں کیا کہ وہ شافعیؒ، حنفیؒ، مالکیؒ یا حنبلیؒ کہلوائے۔ اللہ نے اسے حکم دیا ہے کہ اللہ کی اطاعت اور

جانے تو وہ تقلید کی۔ شریعت میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور قرآن و حدیث اس بات کے شاہد ہیں کہ اطاعت اور اتباع کے سوا لفظ تقلید ایک انسان کیلئے استعمال ہی نہیں کی گئی۔ اس وجہ سے بھی کہ تقلید انتہا درجے کسی کے پیچھے [illegible] بغیر کسی دلیل کے مان

سوال: آپ یہ فرماتے ہیں کہ شریعت میں تقلید کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

عبدالحنان: بالکل نہیں ہے۔

سوال: مولانا حسن ظفر نقوی صاحب! آپ اس تعلق سے کیا فرمائیں گے؟

علامہ حسن ظفر نقوی: اگر ہم تقلید کی لفظی بحث میں پڑیں گے تو جتنے بھی مسالک ہمارے ہاں فقہ کے حوالے سے رائج ہیں تو پھر ہمیں اس حساب سے ایک الگ بحث کرنا پڑے گی دیکھنا یہ ہے کہ اصطلاحاً تقلید سے ہم کیا مراد لیتے ہیں۔ تقلید کے لفظی معانی "کسی کو گلے میں ڈالنا کے ہیں" جیسے شریعت کے معانی "گھاٹ" کے ہیں اور کیا ہم شریعت میں شریعت کے یہ معانی لیتے ہیں۔ اب تک کی بحث میں جو بات سامنے آئی ہے اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تقلید انسانی فطرت ہے، چاہے 14 کروڑ عوام ہوں، 14 ارب آبادی ہو جائے اس میں کچھ افراد کو مقلد کرنا اور کچھ کو مقلد ہونا ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں اجتہاد نہیں ہو سکتا اور نہ ہی ہر شعبے کا ماہر بنا جا سکتا ہے۔ تقلید میں کوئی ایسی بات نہیں ہوتی کہ کسی کی آپ نے بیعت کر لی اور کسی کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیا۔ یہ ایک فطری اور علمی ارتقاء کا مرحلہ ہے اور انسان ہر فن کا عالم یا میدان کا ماہر نہیں ہوتا، وہ اس سے رجوع کریگا جو اس فیلڈ کا ماہر ہو گا۔ سورۂ توبہ کی آیت نمبر 121 میں تقلید کے حوالے سے بلکہ صاف اور واضح حکم دیا گیا۔

سے کیا ہو جائے گی لہٰذا حکم ہے کہ ہر میدان میں کچھ لوگوں کو ہونا چاہئے۔ حکم شرع اولی الامر کو کہا جاتا ہے جو شرع پر پورا عبور رکھتا ہو کہ کہیں جب کچھ طے نہ ہو سکے تو اس کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے، یہ خود تقلید کی ایک شکل ہے جو فطری طور پر انسان پر لازم آتی ہے۔

مجتہد کی تقلید حرام ہے، وہ تقلید نہیں کر سکتا۔ تقلید

بالکل ایک عقلی مسئلہ ہے کہ ہر آدمی مسئلے کا حل نہیں ڈھونڈ سکتا۔ حضور نبی اکرمؐ نے اپنی حیات طیبہ کے اندر ہی کچھ لوگوں کو نیابت دی اور بھیجا۔ حضرت علیؓ کو جب یمن کا حاکم بنا کر بھیجا گیا تو وہاں انہوں نے عدالتوں میں سختی سے کام لیا تو لوگوں نے آکر حضور نبی اکرمؐ سے شکایت کی۔ جس پر پیغمبر اکرمؐ شکایت کرنے والے پر غصہ ہوئے اور فرمایا: "تم کیا چاہتے ہو، تم نہیں جانتے کہ علیؓ اللہ کا حکم نافذ کرنے میں کتنا سخت ہے۔" عبان بن تغلب کا ایک مشہور واقعہ پانچویں امام امام محمد باقرؒ سے کہ آپ نے اس کو حکم دیا کہ "بیٹھو مسجد میں مدینہ میں جا کے اور لوگوں کیلئے فتویٰ دو۔"

سوال: مولانا عبدالحنان صاحب! کیا آپ علامہ حسن ظفر نقوی کی گفتگو سے اتفاق کرتے ہیں؟

شیخ الحدیث عبدالحنان: نہیں، بنیادی طور پر ایک بات سمجھنے میں علامہ صاحب کو غلط فہمی ہوئی۔ علامہ صاحب نے فرمایا کہ وہ مسائل جن میں ہم اجتہاد نہیں کر سکتے ان میں کس کی تقلید کریں گے۔ یہ بھی تقلید نہیں ہے، تقلید میں کسی دلیل کا ہونا بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ علامہ صاحب نے کہا ہے کہ ہم مجتہد کا تقلید کرنا حرام خیال کرتے ہیں لیکن یہ انتہائی تعجب خیز بات ہے کہ چار یا پانچ مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے مجتہدین بھی اس تقلید کے دائرے سے باہر نہیں آتے اور وہ خود کو اسی مکتب فکر سے وابستہ رکھتے ہیں جبکہ ہونا یہ چاہئے کہ اگر وہ درجہ اجتہاد کو پہنچ گئے تو وہ پھر اپنے آپ کو یہ نہیں کہیں کہ میں اب حنفی ہوں یا شافعی یا جعفری ہوں بلکہ یوں کہے کہ میں ایک تابع سنت ہوں، ایک عام مسلمان ہوں، اجتہاد کے درجے پر ہوں، اللہ نے اتنی توفیق دی کہ میں دین کو سمجھ سکتا ہوں، سمجھا سکتا ہوں۔

تقلید کا یہ نقصان ہے کہ عام تو عام، پڑھے لکھے علماء بھی اس دائرے سے باہر نہیں آتے جو پابندی انہوں نے خود اپنے اوپر لازم کر لی ہے جو اللہ نے لازم

ہے۔ تقلید کا لفظ حدیث میں آیا ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رحمت عالمؐ جب حج پر جانے لگے تو میں نے آپؐ کے جانوروں کیلئے اپنے ہاتھ سے ہار بنا۔ پھر آپؐ نے وہ ہار ان اونٹوں کو پہنائے لہٰذا ''قلادہ'' یا تقلید کا لفظ اس معانی میں بھی حدیث میں ہے۔ حضور نبی اکرمؐ نے دین سے ہٹ کر دنیاوی معاملے میں جب کبھی کوئی رائے دی تو احادیث میں ہے کہ صحابہ کرامؓ نے اسے نہیں لیا جیسے مشہور واقعہ ہے کہ بریرہ ایک لونڈی تھی۔ حضور اکرمؐ نے اس کی قیمت ادا کر کے اسے آزاد کروا دیا۔ اس نے کہا کہ حضور نبی اکرمؐ میں اپنے شوہر مغیث کے نکاح میں نہیں رہنا چاہتی۔ آپؐ نے فرمایا کہ بریرہ دیکھو' تمہارا شوہر تم سے کتنی محبت کرتا ہے' آگے آگے بریرہ ہیں اور پیچھے مغیث روتے جا رہے ہیں کہ بریرہ مجھے قبول کر لو۔ آپؐ نے فرمایا: بریرہ مغیث کے ساتھ رہو۔ وہ کہتی ہیں کہ اللہ کے رسول آپ حکم دیتے ہیں یا یہ آپ کی رائے ہے۔ آپؐ نے فرمایا: میں حکم نہیں دے رہا' میری رائے ہے۔ وہ کہنے لگی پھر میں نہیں مانتی۔ معلوم ہوا کہ اگر تقلید لازم ہوتی تو سب سے زیادہ تقلید کے حقدار تو محمد رسول اللہؐ تھے۔ علم اور دین کی روایت میں کہیں تقلید موجود نہیں ہے۔

سوال: غامدی صاحب! علم اور دین کی روایت میں کہیں تقلید موجود نہیں ہے اور عبدالحنان صاحب نے جو واقعہ سنایا کیا یہ اس تقلید کے زمرے میں آئے گا؟

جاوید احمد غامدی: فطری طور پر ایسا ضروری نہیں ہے کہ ہر آدمی دلیل طلب کرنے کیلئے بیٹھے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ مناظرہ کرے' یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ مباحثہ کرے۔ عام طور پر ہم اعتماد کرتے ہیں۔ اصل میں خرابی وہاں سے پیدا ہوتی ہے جہاں ہم فطری حدود سے تجاوز کر کے ایک قدم آگے رکھتے ہیں اور اب ایک باقاعدہ شرعی مسئلے کی حیثیت سے تقلید کو بیان کرتے ہیں کہ چوتھی صدی کے بعد اب کسی صاحب علم کیلئے اصول میں کوئی رائے قائم کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہ گئی۔ اصل میں عام آدمی کا فطری طور پر ماہرین کے پاس جانا' ان سے رائے طلب کرنا' ان سے معلوم کرنا' ان سے پوچھنا غلط نہیں اور اگر سائل مسئلے کے حوالے سے کسی ماہر سے تھوڑی گفتگو بھی کرے' تھوڑا تردد بھی کرے تو یہ کوئی حرام نہیں ہے' ناجائز نہیں ہے۔ خرابی یہاں سے پیدا ہوئی جب علماء نے اپنے اوپر یہ بات لازم کر لی کہ گروہ حنفی ہیں تو وہ پیدائشی حنفی ہیں اور اب انہیں کبھی اہلحدیث کی رائے پر غور نہیں کرنا ہے۔ اگر وہ شافعی ہیں تو ان کیلئے حرمت کے درجے میں کبھی امام مالکؒ کی کسی رائے پر غور نہیں کرنا۔ یہ سب آئمہ ہمارے آئمہ کرام ہیں۔ اگر ہم انہیں دین میں رہنما مانیں خواہ وہ امام مالکؒ ہوں' شافعیؒ ہوں' احمد بن حنبلؒ ہوں' بعد کے جلیل القدر علماء ہوں' محدثین ہوں' فقہاء ہوں' سب کو اپنا رہنما مانیں اور یہ خیال کریں کہ موجودہ زمانے میں بھی اگر کوئی صاحب علم ہے تو ہم اس کی طرف رجوع کریں گے' پوچھیں گے۔ یہاں پر عام آدمی کا مسئلہ نہیں ہے' وہ یہاں زیر بحث نہیں ہے۔ اگر عام آدمی کے بارے میں کہا جائے کہ اس کو کسی صاحب علم کی طرف رجوع کرنا چاہیے تو کون اس

اور یہ سمجھتے ہیں کہ اب جو کوئی پیدا ہوا ہے وہ حنفی ہی ہوگا جو شافعی پیدا ہوا وہ شافعی ہی مرے گا اور کسی حنفی کیلئے اپنی حنفیت چھوڑ کر شافعیت اختیار کرنا یا کسی اور رائے کو اختیار کرنا یہ حرمت کے درجے میں ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو درحقیقت آئمہ کو پیغمبر کا درجہ دے دیتی ہے جس کے بعد دین کے تمام مقاصد بے معنی ہو جاتے ہیں۔ اس خرابی کی اصلاح علماء میں کرنے کی ضرورت ہے۔ عام آدمی تو بیچارا وہی کھڑا ہوتا ہے' اس کو آپ اجتہاد کرنے کیلئے کہہ دیں گے تو معلوم نہیں وہ کیا کچھ کر ڈالے گا اور کیا آراء قائم کرے گا۔ عام آدمی کی تعلیم و تربیت کی اشد ضرورت ہے۔ اگر اسے مناسب تعلیم کے بغیر کہہ دیں کہ یہ یہاں سے لے لو یہ وہاں سے لے لو۔ اس کا شدید اندیشہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو کسی گہرے کھڈ میں ڈال لے گا۔ ہمارے آئمہ کو پیغمبر کا درجہ دے کر امت میں اتحاد و اتفاق اور مکالمے کے راستے بند کر دیئے گئے ہیں اور اصل بات یہ ہے کہ عوام کی تعلیم کے ساتھ ساتھ علماء کی تعلیم کی بھی ضرورت ہے۔

سوال: کیا تقلید نے اجتہاد کے دروازے بند کر دیئے؟

احمد جاوید: بالکل میں اس سے اتفاق کرتا ہوں کیونکہ عالم دین اپنی دینی ذمہ داری سے فرار اختیار کر رہا ہے۔ انسان کی ذہنی استعداد اور ذہنی شعور کا جوہر وہ اپنے حالات کے بہت حد تک تابع ہوتا ہے اور وہ اس کے مطابق اپنی قبولیت کی صلاحیتیں بدلتا رہتا ہے۔ علماء کے اس رویے کی جانب جس طرف غامدی صاحب نے اشارہ فرمایا ہماری موجودہ ذہنی استعداد دین سے متعلق نہیں رہی اور ہماری ساری استعداد سب سے قیمتی چیز یعنی دین سے غیر متعلق ہو گئی ہے۔ یہ بہت بڑا نقصان ہوا ہے اس لئے ہم کوئی ایسا اسلوب فراہم نہیں کر پائے ہیں جو ہمارے ذہن میں پہلے سے موجود طرز استدلال سے ایک اطمینان بخش مناسبت رکھتا ہو' ایک دوئی سی پیدا ہو گئی ہے اور یہ نقصان بھیانک حد تک ہے۔ دین اپنی تفصیل میں صحت فہم کا تقاضا سب سے پہلے نہیں کرتا یعنی کمال فہم دین کا مطلوب نہیں ہے۔ دین کا مطلوب صداقت وابستگی ہے۔ میں اپنی وابستگی کی صداقت کے ساتھ دین سے تعلق کے مضبوط ذرائع پر عامل رہتے ہوئے اگر اپنے عمل یا درکار فہم میں کوئی غلطی کرتا ہوں تو امید ہے کہ آخرت میں اس کیلئے مواخذہ نہیں ہوگا۔ اس طرز فکر نے دین کے اس بنیادی مزاج کو بھی بگاڑ کے رکھ دیا ہے۔ اب دین سے تعلق کی تمام سطحیں انتہائی مکینیکل اور انتہائی پست درجے پر قانونی صداقت ثابت کرنے والی رہ گئی ہیں۔ (جاری ہے)

تقلید کی شرعی حیثیت کے عنوان سے مذاکرہ میں جن حضرات نے اظہار خیال کیا ہے وہ علم و دانش میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ کسی قاری کو اس بارے میں اختلاف ہو یا اپنی رائے کا اظہار کرنا چاہیں تو خبریں کے صفحات حاضر ہیں۔ تحریر کے ساتھ اپنی تصویر بھی بھجوائیے۔ یہ علمی بحث ہے آپ بھی حصہ لیں۔